

برصغیر پاک و ہند کی طوائف شاعرات: ایک مطالعہ

A Study of Prostitute Poets of Indian Subcontinent

Dr. Sughra Rana

*HOD/Associate Professor, Department of Urdu, Graduate College Dubai  
Mahal Road, Bahawalpur*

**Abstract**

Women have a chunk share in modern poetry tradition. To understand this rich poetic tradition, a thoughtful review of the poetic creations of the early period is utmost necessary. The feminine poetry of this series does not represent the average class women. Before 1857, two classes of literary figures are seen grabbing applause for their work, first is the group of elites and second is the group which belongs to prostitutes. A large number of the elite have been successful in gaining place in ancient literacy mentions. Whereas prostitute women writers have suffered from callous ignorance due to one or the other reasons and they failed to become part of any mention of history of literature. Since in early times, poetry was written in Persian language, so the women of “that bazar” also wrote poetry in Persian language. Poetic work of women of pleasure as much available (though most of it was spoiled by the



hands of neglect or time) is very rich and fully connected with classical tradition of Urdu Poetry. If we would not study the work of these poetesses in connection to classical poetic tradition and also not review the process of theme construction, the journey of this subject up to modern poetry of current era would not be completed. That's why felt it necessary to make an appraisal and thoughtful analysis of some prominent women poetesses from this profession in my thesis. As the result of this effort, not only will the poetry of these women of the early period be highlighted, but their efforts would also be ranked on right place in history of Urdu Literature.

**Keywords:** Prostitute, Poets, Poetry

تمہید

جدید شعری روایت میں خواتین کا بہت اہم حصہ ہے۔ اس روایت کو سمجھنے کے لیے ابتدائی دور کی شاعرات کے کلام کا فکری جائزہ بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے کی نسائی شاعرات میں متوسط عورت کی نمائندگی نہیں ملتی۔ 1857ء سے قبل ایک طبقہ اشرفیہ اور دوسرا طوائف کا دادِ سخن سمیٹا نظر آتا ہے۔ اشرفیہ کی کثیر تعداد کو قدیم تذکروں میں جگہ ملی۔ جبکہ طوائف خواتین کو کچھ وجوہات کی وجہ سے ہر تذکرے کا حصہ نہ بنایا گیا۔ ابتدائی عہد میں چونکہ زیادہ تر شاعری زبان فارسی میں تھی۔ اس طرح شاہد ان بازاری کے ہاں بھی شعر اسی زبان میں کہا جاتا تھا۔ اردو زبان میں جس قدر کلام موجود ہے (اگرچہ زیادہ تر دست برد زمانہ ہو چکا) وہ کلاسیکی روایت سے جڑا ہوا اور بھرپور ہے۔ اگر ہم ان خواتین کی کلاسیکی روایت سے انسلاک کے باوصف مطالعہ نہ کریں گے اور موضوعات کی تشکیل کا جائزہ نہ لیں گے تو جدید شعری سرمائے تک پہنچ کر نمائندہ رجحانات شعر اور شاعرات کے ہاں تشکیل موضوع کا سفر مکمل نہیں ہو سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے مقالے میں چیدہ چیدہ طوائف خواتین شعراء کے موضوعات کا فکری تجزیہ ضروری سمجھتے ہوئے انہیں موضوع بنایا ہے۔ اس طرح نہ صرف ابتدائی عہد کی ان خواتین کا شعری سفر انداز نہیں ہو سکے گا بلکہ ان کی کاوشوں کو مناسب مقام و مرتبہ بھی مل سکے گا۔ طوائفوں کی ایک بڑی تعداد دادِ سخن سمیٹی نظر آتی ہے۔ تذکرہ بہارستان ناز میں 174 شاعرات کا ذکر ہے جن میں بیشتر کا تعلق طوائف خانوں سے تھا۔ اسی طرح تذکرہ شمیم سخن کے خالق عبدالحی صفا بدایونی لکھتے ہیں:

”جب ہم یہ تذکرہ لکھتے تھے تو باوجود کوشش بسیار کے بہت کم عورتیں باعفت و عصمت و ذی علم شاعرہ نظر آئیں اور اکثر عوارث کو بازاری شاعر پایا۔ البتہ ہمیں خوشی ہے تو اس بات کی کہ بعض عورتیں موزوں طبع اور صاحب استعداد بھی ہیں۔“<sup>1</sup>

بہارستان ناز کے مقدمے میں درج ہے کہ

”بہارستان ناز میں تخصیص نہیں تھی کہ کون کون سی شاعرات شامل کی جائیں۔ یہ اتفاق ہے کہ شعر کہنے والوں میں اکثر طوائفیں واقع ہوئیں۔ چنانچہ بہارستان ناز میں مشمولہ شاعرات میں سے بیشتر طوائفیں ہیں۔ آئین معاشرت و آداب تمدن سے کوسوں دور اس عہد کی طوائفوں کا ایک مخصوص کلچر تھا۔“<sup>2</sup>

### طوائف شاعرات

اس زمانے میں طوائف گھروں میں داخل ہو چکی تھی کیونکہ وہ تعلیم یافتہ اور تربیت کے سلیقے سے متصف تھیں۔ انہیں ہمہ قسم کی آزادی حاصل تھی روپیہ پیسہ بھی ان کے ذاتی تصرف میں رہتا تھا ان کی شعری صلاحیتوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ شرفاء کے بچوں کو آداب معاشرت سکھاتی تھیں۔ ان کے کوٹھے تہذیب اور شناسائی کے مرکز تھے۔ ان کا مشاہدہ بھی عام عورت سے کہیں زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی تعداد طبقہ طوائف شعر و سخن سے وابستہ تھیں ان میں سے کچھ کلام تو دست برد زمانہ ہو گیا۔ مگر کچھ کچھ نمونہ جات قدیم تذکروں میں اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ طبقہ طوائف کی اس دور کی شاعری بھی روایت کا حصہ ہے۔ انہوں نے بھی بنی روایت کا تتبع کیا ہے اور اکثر صیغہ تذکیر استعمال کیا ہے۔ ”شاعرات اُردو تذکرہ“ از جمیل احمد بریلوی نے شاہد ان بازاری کو اپنے تذکرے میں جگہ نہیں دی ہے۔ راقم الحروف نے ابتدائی شاعرات کو دو حصوں میں محض اس لیے تقسیم کیا کہ ایک بڑی تعداد طوائف شاعرات کی بھی ہے اس لیے انہیں بھی مناسب سطح پر جائزہ کے لیے منتخب کیا جائے تاکہ کلاسیکی روایت کو ابتدائی منظر نامے کے ساتھ اچھی سطح پر جائزے کے ساتھ پیش کیا جائے۔ ابتدائی کلاسیکی روایت سے وابستہ تمام شاعرات میں سے سب سے نمایاں اور اہم نام ماہ لقا بانی چندا کا ہے ایک عرصہ تک ماہ لقا بانی چندا کو پہلی اُردو صاحب دیوان شاعرہ کہا جاتا رہا ہے جبکہ لطف النساء کا دیوان 1796ء مرتب ہو چکا تھا جبکہ ماہ لقا بانی چندا کا دیوان 1798ء میں مرتب ہوا۔ اس تحقیقی انکشاف کے باوجود چندا کی مقبولیت اور شہرت میں رتی برابر بھی کمی نہ آئی۔

”ماہ لقا بانی چندا کا اصل نام چندا بانی یا چندا تھا اور خطاب ماہ لقا تھا جبکہ تخلص چندا تھا۔ چندا کا سن پیدائش 1181ء ہے۔“<sup>3</sup>

ماہ لقا بانی چندا

چند اکی پرورش نہایت ناز و نعم سے کی گئی۔ وہ شاہانہ ماحول کی پروردہ تھی۔ اس نے اس وقت کے تقریباً تمام علوم پر دسترس حاصل کر لی تھی۔ کئی زبانوں اُردو، فارسی اور عربی پر عبور حاصل تھا۔ علم الکلام اور موسیقی پر بھی دسترس رکھتی تھی۔ اس کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ تاریخ کی کتابیں اس کے مطالعے میں ہمہ وقت رہتی تھیں۔ شگفتہ طبیعت، بذلہ سخن، نکتہ آفریں، حاضر جواب اور حد درجہ فیاض اور سخی طبیعت کی مالک تھیں۔ وہ جنگی امور میں بھی خاص دلچسپی رکھتی تھی۔ گھڑ سواری، نیز بازی میں بھی دستگاہ رکھتی تھی۔ علم و ادب کے حوالے سے اسے شعر و سخن سے خاص شغف تھا۔ وہ نہایت شستہ اور باسلیقہ عورت تھی۔ زبان و بیان میں قدرت کاملہ رکھتی تھی۔ فن تعمیر کی خاص دلدادہ تھی۔ اس نے متعدد عمارت دکن میں یادگار چھوڑی ہیں۔ وہ اہل تشیع کی طرف مائل تھی یہی وجہ ہے کہ محرم الحرام میں مجالس برپا کروانا اور غرباء میں لنگر و نیاز کے ساتھ نقد تقسیم کرنا بھی اس سے ظاہر ہے۔ ماہ لقا بانی چند اپنے اوصاف حمیدہ میں بھی شاعری کی طرح نمایاں ترین عورت تھی۔ اس کے زیر کفالت متعدد کنیزیں تھیں۔ جبکہ اس نے خود شادی نہ کی تھی۔ وہ نہایت متمول اور فیاض عورت تھی۔ کئی بڑے محققین نے اسے خان ایمان کا شاگرد بتلایا ہے۔ اس حوالے سے شفقت رضوی لکھتے ہیں:

“جہاں تک شاعروں کے تذکروں اور ادبی تواریخ کا تعلق ہے۔ سب اسے بالاتفاق شیر محمد خان ایمان کا شاگرد بتلاتے ہیں۔”<sup>4</sup>

چند کے کلام میں سوائے غزل کے کوئی صنف شاعری شامل نہیں ہے۔ اس کی ہر غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ جو روایت کی پابندی میں بھی ہے۔ لیکن اس کے ذریعے پنجتن رضی اللہ عنہم سے حسن عقیدت کا اظہار بھی ہے۔ جملہ 135 غزلوں میں سے سات کو چھوڑ کر باقی 118 غزلوں کے مقطعوں میں مدح حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہے۔<sup>5</sup> چند کے دیوان میں حروف تہجی کی ترتیب سے ردیف وار غزلیں مرتب کی گئی ہیں۔ پہلی غزل ”حمدیہ“ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

کیا طاقت ہے راہ حمد میں جو ہو زبان گویا

کہ یاں جز عجز و خاموشی نہیں ہے یک جہاں گویا

بالا شعر حمدیہ روایت کا پتہ دیتا ہے مگر شاعرہ کے عقیدہ توحید پر کامل یقین کا پتہ بھی ملتا ہے۔ اس شعر کی کیفیت سے پتہ چلتا ہے

کہ اس کا مطالعہ مذہب کے بارے میں بہت شد مد کا حامل تھا۔ مثلاً شعر دیکھیے:

نہ ہونعت محمد میں کسی سے محفل آرائی

بچار کھ ہرزہ گوئی سے زباں کو شمع ساں گویا

حمد کے بعد نعتیہ اشعار اس کے عشق رسول پاک ﷺ کا غماز ہیں۔ جو خدا کی تعریف کرے اور محمد ﷺ کی محبت کا دم نہ بھرے اس کے عقیدے کا خدا ہی حافظ ہے۔ چندا نے جب رسول پاک ﷺ کا خوبصورت اظہار کر کے اپنے عقیدے کے بارے میں بھی قاری کو بتا دیا ہے۔ آخری شعر میں کہتی ہے:

بجز حق کے کوئی کب و اصف و صف آئمہ ہو

رہا چندا فلک پر بھی یہی نقطہ نہاں گویا

بالاشعر اس کے آئمہ کرام کی ذات سے وابستگی اور ان کے بارے میں اُس کی علمی سطح کا پتہ ملتا ہے۔ لفظی بازیگری، قافیہ وردیف بیان کی خوبیاں بالاتنیوں اشعار میں موجود ہیں۔ ماہ لقا بانی چندا کی شاعری اور حیات کے مطالعہ کے بعد ایک بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسے بزرگان دین سے خاص لگاؤ تھا اس کے شعر اس ضمن میں پوری سچائی کے ساتھ گواہی دیتے ہیں۔ اس کے ہاں تصوف کا رنگ بھی ملتا ہے۔ اگرچہ وہ عقیدہ اہل تشیع کی طرف مائل ہے باوجود اس کے تصوف بھی اس کی غزل کا حصہ ہے۔ بقول شفقت رضوی:

“تصوف اور معرفت کے مضامین بھی اس کی غزل کا حصہ ہیں۔ کہیں اس کا انداز روایتی ہے تو کہیں جدت و انفرادیت کی جھلک ہے۔”<sup>6</sup>

مثلاً اشعار دیکھیے:

روزِ ازل جو جامِ محبت پلا دیا

سرخی رہی ہے آنکھوں میں اب تک خمار کی

توحید خداوندی سے محبت کا جام پی لینا اور تمام عمر اس سرمستی و سرخوشی میں محور رہنا کیسا دل نواز جان گداز تجربہ ہے۔ اس تجربے سے وہی گزر سکتے ہیں جو ذات الہی کی معرفت کا نقطہ سمجھتے ہوں۔ ایسا ہی ایک شعر ہے:

ہماری چشم نے ایسا کمال پایا ہے

جدھر کو دیکھے آتا ہے تو نظر ہم کو

شاعرہ کا توحید خداوندی پر اعتقاد اور معرفت کا عالم دیکھیے پتہ چلتا ہے کہ واقعتاً ایک صاف باطن مومن اپنے تجربے بیان کرتا ہے۔ مثلاً: تصوف کی مثال دیکھیے:

عشق میں حق کے انا الحق کہہ رہا ہے بار بار

ہر مژہ، ہر لخت دل اپنا نہیں منصور ہے

اد اشرط عبادت ہو سکے ہے کب بھلا اس کی

خودی کو اپنی جب بھولے خدا کی یاد کو پہنچے

بالا شعر میں تصوف کی رموز کو کس خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ صنعت لاف و نشر کا گمان گزرتا ہے۔ مژہ اور دل کا منصور ہو جانا اہل تصوف کے ہاں بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ بذات خود منصور ایک بڑی جاندار تبلیغ ہے جو اہل دل کے حق کی بازگشت کا ایک پیمانہ ہے۔ اول ایک عورت، دوم شاہد ان بزاری، میں سے سوم کلاسیکی عہد کا زوال آمادہ دور۔ ان سب میں ایسا شعر غزل کا حصہ ہونا قابل توجہ ہے۔ ماہ لقا بانی چندا بنیادی طور پر غزل ہی کی شاعرہ ہے۔ اس کی غزل کا بڑا موضوع عشق مجاز ہے۔ وہ محبت کی شاعرہ ہے۔ اس کے ہاں رنگ روایتی ہے مگر نسوانیت اپنی بہار دکھلاتی نظر آتی ہے۔ وہ عشق بزاری کے سارے ہنر جانتی ہے۔ انہیں نسوانیت کے ساتھ محسوس کرتے ہوئے سپرد قلم کرتی ہے۔ مثلاً:

دل ہے دیوانہ ازل سے زلف کی زنجیر کا

کب بندھا چھوتے ہی شانہ ایک مو تدبیر کا

شعبہ بزاری سے اپنے در گزر اے مست ناز

وصل کے وعدے بعد میں حیلہ خوش نہیں تدبیر کا

بالا اشعار عشق مجاز کے نماز ہیں۔ انداز روایتی، رنگ کلاسیکی اور بیانیہ شستہ و نادر۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں طربہ کیفیتیں زیادہ نمودار رکھتی ہیں۔ اس کی طبیعت کی شگفتگی ہمیں اشعار میں بالواسطہ محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً:

ہر چند راہ عشق میں دل پائمال ہے

روز جزا میں رتبہ ہے اس انکسار کا

شعر کے تیور از عشق اگلے ہیں۔ مگر انکسار اور روز جزا نے عشق مجاز کی شوخی پر تالے لگا دیئے ہیں۔ عشق میں طبیعت جزائے حشر کی امیدوار ہے۔ شاعرہ کا یہ انوکھا رنگ اور انداز ہے۔ چندا عشق مجاز کے کئی رنگ رکھتی ہے یعنی عشق کے بیان میں جدت کلام کی داعی ہے۔

ذرا شعر دیکھیے:

نگہ یہ آشنا سے چشم کے اور انتظاری میں

برنگ بلبلی اب محو گل گزار ہے کس کا

صاحب علم و دانش خاتون تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی علمی قدر و قامت سے قاری کو آگاہ کرتی ہے۔ شعر میں محبوب کے انتظار کروانے کے باعث جو منظر بن گیا ہے وہ جدت خیال اور نکتہ آفرینی میں اپنی مثال آپ ہے۔ عشق میں کج ادائیگی و وفا کی کا گلہ

شروع سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ چندا بھی چونکہ روایتی عشق میں گرفتار ہے لہذا اس کے ہاں بھی محبوب سے شکوہ شکایت کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً:

ساغر مجھے کبھی نہ دیا تو نے ایک بار

ہمراہ نت رقیب کے سرشار ہی رہا

بالا شعر عشق کی مجازی حقیقتوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔ رقیب کے ہمراہ سرشار رہنا اور صاحب کنشت کہ عشق میں زندگی کا زنا رہو جانادراصل ایسے معے ہیں جو صرف عشق کے سامنے ہی منکشف ہو سکتے ہیں۔ شاعرہ عشق میں ڈوبی ہوئی اس روح کی ساتھی ہے۔ جسے حقیقت اور مجاز کے درمیان تمام راز مخفی نظر آتے ہیں۔ چندا کے ہاں اگرچہ عشق مجاز ایک بڑا موضوع ہے مگر وہ اس عشق میں بھی روایت سے آگے نہیں بڑھتی۔ وہ وصل کی تمنائی رہتی ہے۔ ملاقات کی خواہش ہمہ وقت اس کے ہاں موجود ہے۔ مثلاً:

آنے کا منتظر تیرے بیدار ہی رہا

کھٹکا ہر ایک پا کا گراں بار ہی رہا

اے یار بے خبر تھے اب تک خبر نہیں

کب کا گزر ہو گیا کوچے میں ماہ کا

چند اوہ واحد ابتدائی دور کی کلاسیکی شاعرہ ہے جو نسائی احساسات کو بیان کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ اس کا نسوانیت سے بھرپور اظہار عشق اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے ساتھ شوخی و طرب کا انداز پایا جاتا ہے۔ شاعرہ کے ہاں انوکھی طرز لطف و محبت نظر آتی ہے۔ اس کی محبت کا انداز بڑا طر حدار ہے۔ مثلاً شعر دیکھیے:

ناصح عبت کرے ہے منع مجھ کو عشق سے

آجائے وہ نظر تو پھر انکار دیکھنا

خود صید ہو گئے ہیں اب دام میں کسی کے

کرتے تھے آپ باہم تازہ شکار ہر شب

پہلا شعر شاعرہ کی عاشقی کا صحیح ادراک کرواتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ عاشق محبوب کی صورت کے بارے میں کس درجہ جذباتی ہو ا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ جو کوئی بھی محبوب کی صورت دیکھ لے وہ اسی کے تیر نظر کا شکار ہو جائے۔ دوسرے شعر میں بھی تازہ کاری، حقیقت نگاری اور شوخی و طرب کا انداز پایا جاتا ہے۔

روک پہ نگہ بد کہ ہے قاتل تعویذ

اپنے بازو میں تو رکھ کر کے مرادل تعویذ

اس لیے یار کا نامہ ہے برابر دل کے  
کام آوے یہ کسی دن دم مشکل تعویذ  
بالا دونوں اشعار پر نظر دوڑائیں ایک عاشق کی پتا ہے کہ معشوق اسے تعویذ بنا کر رکھتا ہے۔ مگر انداز کیسا انوکھا ہے۔ بطور خاص  
مشرقی روایات میں اور بالخصوص ہندوستانی معاشرے میں تعویذ گندوں کی جو شرح ہے۔ جو نہایت قابل توجہ ہے۔ شاعرہ کا  
معاشرتی حالات و واقعات کا شعری پیرایوں میں بیان کرنا بھی اس کی زیرک نظری پر دل ہے۔ شاعرہ اگرچہ غزل ہی کہتی ہے  
مگر غزل کے لیے جس داخلیت اور سوز و گداز کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چندا کے ہاں بہت کم میسر ہے اس نے اپنی غزل میں  
سوز و گداز اور رنج و الم کا موضوع چھیڑا ضرور ہے مگر باطنی کیفیت، احساسات اور گداز کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکی جو اچھی  
غزل کے غنائی احساس کو بڑھا کر دل میں ترازو کر دیتی ہے۔ مثلاً:

بلبل کو ہو بہار میں گلزار کی تلاش  
لیکن مجھے صدا ہے میرے یار کی تلاش  
ٹکڑے دل کو جگر کو کیا جس نے بارہا  
ہے مجھ کو اب تک اسی خوشخوار کی تلاش  
بالا اشعار کو دیکھیے خالصتاً غزل کے شعر ہیں۔ سوز و گداز کی کیفیت کے ترجمان ہونے کے باوجود گداز سے تہی دکھائی دیتے ہیں۔  
مثلاً:

رکھتے ہیں میرے عشق سے یہ دیدہ تر فیض  
دامن میں لیا اپنے ہی دریائے گہر فیض  
کر دل نگاہ ناوک جاناں کی احتیاط  
لازم ہے میزبان کو مہماں کی احتیاط  
بالا اشعار اگرچہ اپنے اندر لطف و رنج و الم کے داعی ہیں مگر گداز اور سوز کی لے نہایت مدہم اور دھیری ہے جو شاعرہ کی فطرت  
کے باعث تخیل میں ہی موجود نہیں رہی۔ ماہ لقا بانی چندا نے جہاں عشق و عاشقی کو موضوع بنایا، سوز و گداز کو بھی ہے بحیثیت  
موضوع ہی برتا۔ وہاں اس کا تصور محبوب، نہایت واضح، جاندار اور صاحب ادا ہے۔ اس کی غزلوں سے محبوب کا جو تصور ابھرتا  
ہے وہ ایک مکمل موضوع ہے۔ مثلاً:

روبر و خورشید رو کے ماہ میں کیا نور ہے  
داغ پایا چاند نے یہ بے کلف مشہور ہے

تجھ کو حورانِ بہشتی بھی پہنچ سکتی نہیں  
لیلیٰ و شیریں کا اس کے آگے کیما ند کور ہے  
شاعرہ نے محبوب کے حسن و جمال کی پوری کہانی قلبی واردت کی صورت ان دو بلا شعروں میں بیان کر دی ہے۔ حوران، بہشتی اور لیلیٰ و شیریں اسے کیوں کر پہنچ سکتی ہیں۔ خورشید و ماہ حسن و جمال کا مرتع ہی دراصل ماہ لقا اور چندا کا محبوب ہو سکتا ہے۔ شاعرہ کا محبوب روایتی محبوب کی طرح وعدہ کر کے نہیں آتا ہے اور پھر وعدہ ملاقات بھی کرتا ہے۔ مثلاً:

وعدہ کر کے شب کو تو ہم سے نہاں رہے

بولے سحر پھر آئیں گے خاطر نشان رہے

ماہ لقا شوخ انداز میں محبوب کی جفاؤں کا تذکرہ کرتی ہے۔ احساسِ طرب یہ ہے۔ مثلاً:

خورشید رو قسم ہے جو زلفوں کی تو نے کل

وعدہ کیا تھا دن کا مگر رات ہو گئی

محبوب کے حسن و جمال کے ساتھ جفا ئیں بیان کرنا کوئی چندا سے سیکھے۔ مثلاً:

تیر و تلواریں سے بڑھ کر ہے تیری تر چھی ننگہ

سینکڑوں عاشقوں کا خون کیے بیٹھی ہے

سج کے اس طرح سے نکلا ہے وہ طرح دار کے بس

جان و دل ہو ہی گیا گرفتار کہ بس

چاند سامنہ اپنا دکھلا دے کبھی او گل بدن

سینکڑوں در پر تیرے ہیں دیکھنے والے پڑے

خواہش تجھے غیروں کی سدا رہتی ہے لیکن

ہم کو تو نہیں تیرے سوا چاہ کسی کی

گردام سے اپنے ہمیں آزاد کرو گے

پھر کس سے یہ کج قفس آباد کرو گے

بالا اشعار اپنے اندر تصورِ محبوب کی کئی جہتیں رکھتے ہیں۔ یہ ساری صورتیں جو چندا نے بنائی ہیں تصویروں کی صورت ان میں اس کا محبوب ہمیں بنفسِ نفیس سراپا کمال و جمال ادائے بے مثال نظر آتا ہے۔ مثلاً دیکھیے:

خوبی ناز سراپا ہے عجب شے زاہد

کیوں تو آنکھیلی کو کرتا ہے طرح دار کے منع

سرپائے محبوب کے ساتھ ادائے محبوب کے ضمن میں چند انے کیسا خوبصورت انداز بیان اپنایا ہے۔ مثلاً دیکھیے:

ملایا کرتو اس کی آنکھڑیوں سے آنکھ کم نرگس

نہ کریوں دیدہ و دانستہ اپنے پرستم نرگس

بالا شعر سے شاعرہ کا مقصد محبوب کا حسن و جمال پیش کرنا مقصود تھا مگر ساتھ ہی اس کے اوصاف جلالی بھی دکھادیئے ہیں۔ ماہ لقا چند ابائی کے دیوان میں تصور محبوب جا بجا موجود ہے۔ وہ خالصتاً انسانی جیتا جاگتا، چلتا پھرتا محبوب ہے جو فادار اور طرح دار ہے، جو خوبرو اور صاحب جمال ہے۔ وہ جلال بھی رکھتا ہے۔ اس کا محبوب روایات و اقدار کا مکمل نمونہ ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں جو محبوب رواں دواں تھا وہی چندا کا محبوب ہے۔ اس کے تصور محبوب کی سب سے نمایاں بات یہی ہے کہ آج بھی خواتین شاعرات کے ہاں ایسے ہی محبوب کو آسانی کے ساتھ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مد لقا ابائی چندا کی غزل کا ایک اہم موضوع احساس فنا بھی ہے تصوف اور معاملات راہ سلوک اگرچہ اس کی غزل میں موجود ہیں مگر احساس فنا دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی اپنے رنگ میں کرتی ہے۔ مثلاً:

گل کے ہونے کی توقع پہ جیے بیٹھی ہے

ہر کلی جان کو مٹھی میں لیے بیٹھی ہے

کبھی صیاد کا کھڑکا ہے کبھی خوف خزاں

بلبل اب جان ہتھیلی پہ لیے بیٹھی ہے

یہ دونوں بالا شعر فطری سادگی کے ساتھ احساس فنا سے لبریز ہیں۔ گل بننے کی توقع پر کلی کا انتظار ہر کلی اپنی جان کو مٹھی میں لے کر بیٹھی ہے یعنی کلی کا دورانیہ کس قدر اثبات فنا کا احساس ہے۔ بلبل لاکھ خطروں میں بھی زندگی کے حسن کو محسوس کرنا چاہتی ہے یہ فلسفیانہ انداز بیان نہایت خوبصورت اور ہشت پہلوی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب شاعرات کے صفحہ 139 پر لکھتے ہیں: ”ماہ لقا کا تخلص چندا تھا اردو شاعری کی تاریخ میں خاتون شاعرہ کی حیثیت سے ان کا نام اور کام تادیر زندہ رہنے والا ہے۔ ان کا ایک شعر نوجوانی ہی سے میرے حافظے میں ہے۔“

ہر کلی جان کو مٹھی میں لیے بیٹھی ہے

پھول بننے کی تمنا میں جیے بیٹھی ہے<sup>7</sup>

چند ا کا دیوان اگرچہ مختصر ہے مگر مضامین کے انبار موجود ہیں وہ کسی مبتدل اور پامال موضوع کو بھی چھیڑتی ہے تو ندرت خیال سے معنی آفرینی پیدا کر دیتی ہے۔ بقول شفقت رضوی: ”ندرت خیال، مضمون آفرینی اور بات سے بات پیدا کرنا تو کوئی چندا

کے ہاں دیکھے دیوان مختصر صحیح مگر مضامین نو کے انبار لگا دیئے ہیں۔<sup>8</sup> بلاشبہ سچ لکھا شفقت رضوی نے چند اے کے ہاں مضمون آفرینی ندرت نے ال و بیان جدت طرازی معنی نے زلی کا نقشہ دیکھیے:

جھلک جو زلف معنبر کی خواب میں دیکھی  
پھرتے ہیں رات سے اس دیدہ پر آب میں سانپ  
آپ گردن تو ہلا دیتے ہیں ہر بات کے وقت  
یہ غضب ہے کہ مچل جاتے ہیں پھر گھات کے وقت  
جو دیکھ یار کے عارض پہ میں نے خال تاباں کو  
کبھی پھلتی کہ یہ ہندو کرے ہے حفظ قرآن کو

ماہ لقبائی چند بلاشبہ ایک قادر الکلام شاعرہ تھی۔ اس کی قادر الکلامی کا مظہر اس کی موضوعاتی غزلیں بھی ہیں۔ مثلاً اس نے بسنت اور سالگرہ پر موضوعاتی غزل لکھ کر جدت کا ثبوت دیا ہے۔ اپنی سالگرہ پر اپنے آپ کو مبارک باد دینا یہ ماہ لقبائی چند اے کے کلام میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً:

ہو تیری عمر خضر ماہ جلال

یوں ہی تیری گرہ ہو سال بہ سال

پنجتن تجھ پہ ہوں کرم گستر

اور اللہ کا رہے افضال

چندرا ظلم سے متنفر ہے اور دنیا کو اور انسانوں کو پیار کے قابل سمجھتی ہے یہی چیز اسے عام سطح کے شاعروں سے بلند کر دیتی ہے وہ صیاد کو ظالم تصور کرتے ہوئے اپنی شاعری میں اسے علامت ظلم قرار دیتی ہے۔ مثلاً:

کچھ دن کرے صیاد کو اللہ جو میرا صید

کردوں میں سبھی دام سے ایک دم رہا صید

ہر چند دل دکھانا کسی کا برا ہے پر

رنجیدہ خاطر وں کو تو رنجور مت کرو

چند اے کے کلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علم نجوم سے بھی خوب واقفیت رکھتی تھی۔ اسے مہر و نجوم کے ساتھ عشق خاص علمی سطح کا ہے۔ مثلاً:

شرف مہر میں اب خون جگر سے کر نقش

بھر کے دیتا ہوں جو لے جاتا ہے حامل تعویذ  
مجھ کو خواہش نہیں چندا جعفر جامع سے  
دل پہ ہے حب علیؑ کا مرے کامل تعویذ  
آہ پر زور نے کھولی نہ گرہ طالع کی  
مجھ سے دل تنگ ہو ملتا ہے جو شاہ معشوق

بالا اشعار پر نظر دوڑائیں شرف مہر تعویذ نقش جعفر جامع گرہ طالع ان الفاظ میں علم نجوم و جعفر سے اس کا تعلق دیکھا جاسکتا ہے۔ شفقت رضوی لکھتے ہیں: ”چند اے شاعری میں ان مریبوں کو بھی یاد کیا ہے جن کی ان عنایت سے اس کی زندگی عیش و آرام اور آسودگی سے گزری۔“<sup>9</sup> واقعتاً نظام الملک آصف جاہ ثانی اور نواب ارسطو جاہ کا خصوصی ذکر کرتی ہے۔ مثلاً:

خضر کی عمر ہو اس کی تصدق سے آئمہ کے  
نظام الدولہ آصف جاہ جو سب کا مسیحا ہے  
چند اے کلام سے جہاں شوخی و سر مستی بذلہ سنجی اور خوش طبعی ظاہر ہوتی ہے وہ کسر نفسی اور بے نیازی کا انوکھا انداز بھی ملتا ہے۔  
مثلاً:

کسی کو رتبہ جم کی کسی کو جام کی خواہش  
مجھے ہے آستاں بوسی سے صبح و شام کی خواہش  
سوائے بندگی رب نہیں کچھ مطلب دل  
غرض اکرام سے مجھ کو نہ ہے انعام کی خواہش

چند اے کلام میں تعلی اور خود ستائی کا عنصر بھی نرالا اور خوبصورت ہے۔ مثلاً:

ثابت قدم ہے جو کوئی چند اے کے عشق میں  
صف میں وہ عشق بازوں کے سالار ہی رہا  
چند اے کو دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی  
رکھتا ہو وصف اپنی میں وہ عز و جاہ کا

چند اے کا کلام فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ تشبیہات، تلمیحات تراکیب نے ایک کولاج ترتیب دے رکھا ہے جو اپنی بہار دکھاتا ہے۔ وہ روزمرہ اور محاورہ بھی پیش کرتی ہے جو زنان کی زبان ہے۔ اس کے کلام میں محاورہ بھی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ صنعت

لف و نشر صنعت تجنیس مرآة نظیر اور تکرار لفظی بھی موجود ہے۔ اس کے ہاں قافیہ وردیف کی ندرت بھی موجود ہے۔ مشکل ترین قافیہ بھی آسانی کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ اس کے مطلع بھی خوب ہیں۔ تشبیہات و تلمیحات کی مثالیں دیکھیے:

فقط سلک گہر دنداں نہیں تھے آبیاری میں  
لب خوش رنگ بھی ہر ایک گویا لعل احمر تھا  
رو برو کب ہو لب لعل کے تاب یا قوت  
نام سن جس کا اتر جائے ہے آب یا قوت  
رخصت بوسہ دیا پان چبا کر ظالم  
اپنی قسمت میں مگر تھا یہ حجاب یا قوت  
انگور کا دانہ ہے ہر اک آبلہ پا  
طے ہوتے ہیں کس لطف سے فرسنگ خرابات

### تلمیحات

آئینہ سکندر کا نہیں دل کے برابر  
ظالم نہ سمجھنا کہ ہے یہ سل کے برابر  
سوار سنا جشن بھی جمشید کا ہم نے  
لیکن نہیں دیکھا تیری محفل کے برابر  
پرویز کو نسبت نہیں فریاد سے شیریں  
درج بالا تلمیحات و تشبیہات اگرچہ تاریخی حیثیت کے ساتھ ادبی سطح پر بھی کلاسیکی روایت ہی کا حصہ ہے۔ نادر و یگانہ نہیں ہیں  
متبذل ہیں۔ ابتدائی نمونے شاعری کے ہیں۔ مگر انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کا استعمال رواں چست اور حسب حال فن  
شاعری کے مطابق ہے استعارہ کا استعمال بھی ذکاوانہ ہے۔ مثلاً:

شاید کہ میرے گھر میں وہ رشک ماہ آوے  
رہتا ہوں اس لے لے میں امیدوار ہر شب

چند اکے ہاں محاورے کا استعمال بھی شستہ و وارفتہ ہے۔ مثلاً:

آلا بالانہ بتا ملنے میں ہر بات کے بیچ  
وعدے کا کب ہے تخیل دل بیتاب کے بیچ

چشم بد دور بہم ہوتی ہیں کیا کیا چہلیں  
بلکہ الفت کی ترقی ہے ملاقات کے وقت  
ٹسوے بہا کے ہر گھڑی زاری نہیں ہے خوب  
یہ راز عشق ہے اسے مشہور مت کرو

بالا اشعار میں محاورہ بندی جس فنکارانہ انداز سے کی گئی ہے وہ قابل توجہ ہے۔ ترکیب کارنگ ملاحظہ ہو: ربط عشق، سرمہ ابصار، نوروز عشرت، چشم نظر، رشک ماہ، زلف معنبر، آب یا قوت بت نامہرباں، رگ گلشن، غنچہ دل، مرغ دل، آہوئے دل، وغیرہ۔ چندا کے دیوان میں جملہ 125 غزلیں ہیں۔ جن میں سے سات غزلوں کو چھوڑ کر باقی سب کے مقطعوں میں مدح حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہے۔ ان تمام مقطعوں میں خاص بات یہ کہ ہے اگر ایک مقطعے میں مولا علی کے توسط سے خدا سے دعا مانگی گئی ہے تو دوسرے میں ان سے براہ راست کلام کیا گیا ہے۔ دین دنیا اور آخرت کی عز و شرف نیک نامی حسن صورت اور مال و منال کی خواہش تمنا انہی مقطعوں میں نظر آتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف چندا کے کلام کو تمام خواتین کلاسیکی یا عہد حاضر میں شاعری سے تعلق میں منفرد بنا دیا ہے۔

کچھ مقطعے ملاحظہ ہوں:

سوجان سے ہوگی وہ تصدق میرے مولا  
تو جان عندلیب ہے تو اعتبار گل  
عرض سرکار مرتضیٰؑ میں یہ ہے  
پائے دو جہاں کا چندا مال  
کرو امداد فضل حق سے یا مشکل کشا علیؑ  
سدا کونین میں چندا کو اب آرام سے گزرے  
تحقیق کیا ہم نے بجز شاہ نجف کی  
چندا کو تمنا نہیں واللہ کسی کی  
چندا نے یا علیؑ ولی نام پر ترے  
صدقے کیا ہے جان کو دل بھی نثار ہے  
ناز چندا کو نہ ہو کیوں نوجوانی پر فلک  
جس کو ہر دم ہے بھروسہ مرتضیٰؑ سے پیر کا<sup>10</sup>

چند کے دیوان میں ان مقطعوں کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک بھرپور قصیدہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ چند ایک اہم شاعرہ ہے۔ کلاسیکی روایت میں ایک زندہ زبان کے خمیر سے پہچانی جانے والی اس شاعرہ نے شاعری کے اعتبار کو قائم کیا مگر نسانی احساس کو قائم کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اکثر صیغہ تذکیر میں بات کرتی دکھائی دیتی ہے۔ چند کو گزرے ہوئے دو سو سال ہو گئے ہیں۔ ولی کے بعد سراج اور سراج کے بعد چند اتار سنجی تسلسل کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ولی کی صفائی زبان کے سب معترف ہیں۔ سراج نے عہد ولی کی زبان کو مزید نکھارا اور سنوارا لیکن چند کے ہاں وہ تکمیل کے درجے پر دکھائی دیتی ہے کہ آج کا عام قاری بھی اس میں اجنبیت کی ہلکی سی رفق نہیں پاتا۔<sup>11</sup>

### شیریں جان

قدیم خواتین شاعرات میں زیادہ تر کا تعلق شاہدانِ بازاری سے ہے۔ ان میں ایک اہم نام بی شیریں جان کا ہے۔ ان کا تعلق لکھنؤ سے ہے۔ ان کا مجموعہ کلام نغمہ شیریں کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی تاریخ اشاعت کا تعین نہیں ہو سکا۔<sup>12</sup> ”بہارستان ناز“ از فصیح الدین رنج میں درج ہے: ”یہ عورت فرقہ طوائفان لکھنؤ سے ہے۔ اوّل اس نے والی سخن میر محمدی صاحب سب سپہیر شاگرد خواجہ وزراء صاحب بادشاہ امداد علی صاحب بحر سے مشورہ کیا ان کی مدد سے آشنائے بہر و خار ہوئی۔ تھوڑے عرصے میں صاحب فن ہوئی۔ اگرچہ اس کا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا مگر سنا ہے صاحب دیوان ہے خوش فکر اور نکتہ داں ہیں۔“<sup>13</sup> شیریں واقعاً کلام شیریں کی سزاوار ہے مگر روایت کی مقلد اور صیغہ تذکیر استعمال کرتی ہے۔ مثلاً:

کیوں کر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل  
اے کاش موت آئے کسی پر نہ آئے دل  
بے مہر وہ بے مروت و نا آشنا ہو تم  
تم سے خدا نخواستہ کوئی لگائے دل  
شیریں کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی  
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

بالا اشعار شعری خوبیوں سے منصف ہیں مگر عشق و عاشقی کا وہی روایتی انداز ہے۔ جو تمام شعراء کے ہاں رائج تھا۔ شیریں نے پہلے شعر میں محبت و عشق کے دکھوں کو بین السطور پیش کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ عشق کے ستائے موت کو عزیز از جان رکھتے ہیں۔ عشق ہونا کوئی خاص بات نہیں جب کسی کی باتیں، ادائیں اور صورت سبھی خوبصورت ہوں۔ اسی طرح شاعرہ تیسرے شعر میں محبوب کی کج ادائیگیوں بے وفائی کا پردہ چاک کرتی ہے۔ آخری شعر میں عشق کی آزمائشوں کے ذریعے نتیجتاً عشق کی بربادی کا سامان بتاتی ہے۔ ایک اور شعر دیکھیے:

پری زادوں میں تم مشہور میں مشہور دیوانہ  
اگر تم شمع محفل ہو تو یہ بندہ ہے پروانہ  
شاعرہ خود مذکر محبوب مونث عشق و دیوانگی وہی روایتی مگر کلام میں ندرت اور سادگی موجود ہے۔ نہیں مسند تو کیا پرواہ خدا پر اپنا  
تکیہ ہے

فقیری میں بھی اے شیریں مزاج اپنا ہے شاہانہ  
بالا شعر قدرت کلام کے ساتھ نقطہ دانی معنی آفرینی کا نمونہ بھی ہے۔ یعنی مسند نہیں تو کیا ہوا تکیہ موجود ہے اور تکیہ خدا پر ہے  
کسی نکتے کی بات کی ہے کہ ہمارا توکل تو خدا پر ہے۔

دھن یار کا بوسہ نہیں ملتا دل کو

چشمہ آب بقا پر ہے سکندر بیتاب

بالا شعر میں شاعرہ نے تلمیح کے ذریعے نقطہ دانی کا پکا ثبوت دیا ہے:

ہوئی ہے ہمیں زلف و آبرو کی الفت

مقدر میں تھی سانپ بچھو کی الفت

شعر میں استار اتا تشبیہ کے تعلق سے جو بات کہی ہے وہ محبوب کے تصور کو یک لحظہ سامنے لے آئی۔ مثلاً ایک اور شعر دیکھیے:

خدا جانے ہے دل میں کیا بدگمانی

میرے ہاتھ کا پان کھاتے نہیں ہو

بالا شعر میں شاعرہ نے اپنے عہد کے نہ صرف کوٹھے کی مصوری کی ہے بلکہ بین السطور ان سازشوں کا پتہ بھی دیا ہے جو اس  
تہذیب و معاشرت میں عام تھیں۔ حسیناں بازاری میں ایک شاعرہ بدلا بھی خاصی پرگوتھیں۔ اس کا ذکر کئی جگہوں پر ہوا ہے۔  
”بہارستان ناز“ میں کچھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ: ”بدلا تخلص، بدلا جان نام ہے، ایمان کی کہیں گے وہ وفاداری میں طاق ہیں۔  
مروت اور محبت میں شہرہ آفاق ہیں اور شاعرہ بھی فرد ہیں۔“<sup>14</sup> شاعرہ نے اپنے تخلص اور نام سے جو شعر میں کام لیا ہے او  
ر خالصتاً غزل کے اشعار میں وہ خاصے کی چیز ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ ندرت و نزاکت احساس کی علامت ہیں۔ مثلاً:

بہار آئی ہے پھر رنگ دل ناکام بدلا ہے

ہو ابدلی، مزاج بادہ گلغام بدلا ہے

یقین ہے آج مے خواروں کی دعوت ہے کہ تو نے بھی

گھٹا کا اودا جوڑا چرخ نیلی فام بدلا ہے

سنا ہے غیر کی بدلی ہے قسمت کیا ہمارا بھی  
کہیں اب کے مقدر گردش ایام بدلا ہے  
سنا کر مجھ کو باتیں غیر سے کرتی ہو بہتر ہے  
میں بدلنے کے چھوڑوں گی جو میرا نام بدلا ہے<sup>15</sup>

پہلا شعر دیکھیے:

شعر میں حزن و مال کی زیریں لہر کے باوجود طرب یہ احساس نمایاں ہے۔ شاعرہ نے حسن تشبیہ سے کیسا دل فریب کام لے کر بہار کا ذکر کیا ہے۔ دوسرا شعر بھی اسی طرح ہمیں بازار حسن کی بیٹھی بٹھائے سیر کروا دیتا ہے۔ شاعرہ نے منظر نگاری کے ذریعے تصویر گری کی ہے۔ تیسرے شعر میں عشق کی سوغات درد کو نکتہ آفرینی کے ساتھ آرام میں بدل دیا ہے۔ چوتھے شعر میں گردش ایام اور تقدیر کے فلسفے کو سادگی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ آخری شعر میں نام اور تخلص دونوں کے ذریعہ عورت کے انتقامی مزاج کی نشاندہی کر کے حقیقت نگاری کی گئی ہے۔ طبقہ طوائف کے کلام کو جانچا گیا۔ بہت سی شاعرات جو صاحب دیوان تھیں مگر ان کا کلام تاریخ کے پاؤں تلے آکر کچلا گیا۔ تذکروں میں جن شاعرات کا اردو کلام موجود ہے ان میں سے کچھ شاعرات چن کر نمونہ بنائی گئیں تاکہ رجحانات کا اندازہ ہو سکے۔ اس زمانے میں شریف عام خواتین کے ہاں شاعری معیوب سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے ان کی نمائندگی نہیں ہو سکی البتہ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو بقول نجمہ رحمانی: ”اگر تعصب کی عینک اتار کر عہد قدیم کی شاعرات کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ ادبی خدمات سرانجام دیں۔ ہاں ان کے کلام میں وہ گہرائی پیدا نہ ہو سکی جو مردوں کا حصہ ہے لیکن پھر بھی ان کا کلام اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ یہ اس عہد کی خواتین کے قلم سے نکلا ہے جس میں عورتوں پر بے شمار بندشیں تھیں جہاں انہیں ایک دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ذہن و دل پر مذہب و سوسائٹی کے پہرے تھے۔ ایسے حالات میں انہوں نے جو کچھ لکھا وہ ادب میں گراں مایہ اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔“<sup>16</sup> ماہ لقا چند اسے جو شعری روایت چلی وہ ادا جعفری تک پہنچتی دکھائی دیتی ہے۔ طوائف شاعرات کی نگارشات شعر کا مکمل جائزہ دراصل خواتین شاعرات کے لیے ترسیل خیال کا ایک نمونہ ہے۔ جس کے بغیر نسائی شعری روایت اُدھوری رہ جاتی ہے۔

## References

<sup>1</sup> Najma Rahmani, *Urdu Poetesses After Independence* (Delhi: Bharat Offset Press, 1994), 23.

- <sup>2</sup> Hakeem Fasihuddin Ranj, *Tazkira Baharistan Naz* (Lahore: Majlis Tarraqi Adab, 1965), 52.
- <sup>3</sup> Shafaqat Razvi, ed., *Diwan Mah Laqa Bai Chanda* (Lahore: Majlis Tarraqi Adab, 1990), 16.
- <sup>4</sup> Ibid., 39.
- <sup>5</sup> Ibid., 47.
- <sup>6</sup> Ibid., 48.
- <sup>7</sup> Dr. Farman Fatehpuri, *Only Poetesses* (Lahore: Al-Waqar Publications, 2009), 139.
- <sup>8</sup> Shafaqat Razvi, ed., *Diwan Mah Laqa Bai Chanda* (Lahore: Majlis Tarraqi Adab, 1990), 53.
- <sup>9</sup> Ibid., 48.
- <sup>10</sup> Ibid., 48.
- <sup>11</sup> Ibid., 55.
- <sup>12</sup> Saadia Majid, "Concept of Beloved in Women's Urdu Poetry," M.A. thesis, University of Karachi, 1993, 96.
- <sup>13</sup> Hakeem Fasihuddin Ranj, *Tazkira Baharistan Naz* (Lahore: Majlis Tarraqi Adab, 1965), 159.
- <sup>14</sup> Ibid., 115.
- <sup>15</sup> Ibid.
- <sup>16</sup> Najma Rahmani, *Urdu Poetesses After Independence* (Delhi: Bharat Offset Press, 1994), 28.